کلامِ اقبال پر حالی کے اثرات
(مسدس حالی اور شکوہ جوابِ شکوہ کے تناظر میں)

عروبہ مسرور صدیقی

Abstract:

Religious Consciousness has gathered Allama Muhammad Iqbal and Altaf Hussain Hali on same platform. Remembrance of glorious past of Muslim Ummah, Islamic Golden ages, the sorrow of forgetfulness of our great ancestors' customs, and the present condition of Muslim decline were the same reasons which influence iqbal and Hali, both, to write such masterpiece. So, "Hali's Musaddass" and Iqbal's two poems "Shikwa","Jwab e Shikwa" was written for the same purpose. These poems extol the legacy of Islam and its civilizing role in history, bemoan the fate of Muslims everywhere, and squarely confront the dilemmas of Islam in modern times. On poetic levels, Iqbal and Hali's writing style is quite different. But on intellectual levels, both have similar thought and passion. Thus, if we compare Iqbal's Shikwa and Jwab e Shikwa with "Hali's Musaddas", we see a great resemblance in these poems. These poetic and intellectual similarities have described in this article.

بیسویں صدی سائنسی ایجادات کے ساتھ ساتھ ملکی، سیاسی، ادبی، معاشرتی اور معاشی ہر حوالے سے فکری انقلاب کی صدی تھی۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط نے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے مفلوج تو کیا ہی تھا لیکن زیادہ نقصان اس بات کا ہوا کہ مغربی ادب کی یورش نے ہندوستانی ادب پر جو اثرات مرتب کیے اس نے یہاں کے لوگوں میں قدیم اور جدید کے مابین ایک شدید قسم کے تصادم کی فضا پیدا کر دی۔ ایک طرف حکمرانوں کا ادب تھا جو

جدیدیت کا نعرہ لگاتا، سائنسی غور وفکر کو لازم قرار دیتا اور دوسری طرف مسلمانوں کا روایتی علم و ادب تھا جس کو ترک کرنا ان کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ ایسے میں دو طبقے پیدا ہو گئے۔ایک جو مغرب کا دل دادہ اور صبح و شام اسی کے گیت گانے والا تھا اور دوسرا طبقہ بالکل قدامت پرست بن گیا۔ اس تفاوت کو ختم کرنے کے لیے سرسید نے جو تحریک شروع کی تھی،رفتہ رفتہ وہ خود مغربیت کے سانچے میں ڈھلتی گئی۔سرسید کے خیالات پر سائنسی رجحان کا اتنا غلبہ ہوا کہ انھوں نے عقائد کو بھی عقل سے پرکھنے کی طرح ڈالی ۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ علمائے دین ان سے ناراض ہوکر الگ ہو گئے ۔سرسید کے خیالات کا سب سے زیادہ اثر الطاف حسین حالی پر ہوا۔ حالؔی کا مزاج چوں کہ بچپن سے مذہبی تھا۔ پھر یہ کہ سرسید سے تعلق نے ان کے دل میں حب الوطنی اور اصلاح کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا جس کا سب سے زیادہ اظہار ان کی معرکتہ الآراء نظم ''مسدس'' میں ہوا۔ ''مسدس' لکھنے کا حالؔی کا مقصد اپنے موجودہ دور کے مسلمانوں کی حالتِ زار کا احساس دلاتا تھا۔ایک طرف مسلمانوں کا شان دار ماضی تھا، کئی صدیوں تک مسلمانوں نے دنیا پر حکومت کی تھی ۔ وہ دین جس کا آغاز خطہ عرب سے ہوا جب اللہ کے احکام کی سر بلندی کے لیے نکلا تو دنیا کی بڑی بڑی اقوام کی علم گرا دیے۔ حالی ایک جانب ایسا پرشکوہ عہد دیکھتے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کی موجودہ حالت ہے کہ بقول اقبال ''مور ناتواں'' کی طرح روندے چلے جا رہے ہیں۔ لہٰذا حالی نے مسلمانوں کو ان کی اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور معاشرتی گراوٹوں کا احساس دلانے کے لیے یہ نظم لکھی۔ یہ وہی مقصد تھا جو بعد ازاں علامہ اقبال کے کلام میں زیادہ جوش اور ولولے کے ساتھ ظاہر ہوا۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ حالی نے جس جذبے کے تحت ''مسدس'' لکھی۔ اقبال نے اسی جذبے کو لے کر ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' تحریر کیں۔ ''مسدس حالی'' اور علامہ کی شکوہ جواب شکوہ کا جائزہ لیا جائے تو دونوں شعرا کی فکر اور اسلوب میں حیرت انگیز مماثلتیں نظر آتی ہیں جن کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔عہد رفتہ کی یاد مسلمانوں کے شان دار ماضی کا احساس اور مسلمانوں کی موجودہ زوال پذیر حالت پر افسوس دونوں شعرا کے یہاں مسلسل دکھائی دیتا ہے۔ اقبالؒ کا پورا کلام اسلاف کے کارناموں کو زندہ کرنے کی ایک کوشش ہے اور حالؔی بھی ایک ایسی تحریک کے ساتھ وابستہ تھے جس کا مقصد مسلمانوں کی کھوئی ہوئی ساکھ بہتر بنانا تھا۔ دونوں کا خطاب موجودہ دور کے مسلمانوں سے ہے جن سے مخاطب ہوکر وہ کہتے ہیں کہ جب سے مسلمانوں نے اپنے آبا کے عقائد اور قرآن کو ترک کیا ہے تب سے وہ توحید کا درس بھلا بیٹھے ہیں اور جب سے وہ مغرب کی بے جا تقلید میں جا پڑے ہیں تب سے وہ اپنی اصل شان کھو بیٹھے ہیں۔ اسلاف کی روایات سے ان کی نسبت محض نام کی ہے ورنہ طور طریقوں میں ہم اسلاف سے اتنے جدا ہیں کہ کوئی نسبت قائم کرنا ناانصافی ہوگی۔ اقبالؒ کہتے ہیں کہ ہمارا تعلق اس قوم کے ساتھ ہے جو فکر کے ساتھ عمل کا درس دیتے تھے اور خود بھی صاحبِ عمل تھے۔لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ نہ طرز اچھی، نہ گفتار اچھی، نہ اپنے اسلاف کی روایات کی کوئی پہچان اور نہ ہی دوسری ترقی یافتہ اقوام سے کوئی سبق سیکھا ہے۔ اس حال کو حالؔی یوں بیان کرتے ہیں:

نہ افسوس انھیں اپنی ذلت پہ ہے کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ (۱)
ے کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم (۲)

حالی دین اسلام سے قبل کی حالت کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ ظہور اسلام سے پہلے لوگ احکام الٰہی قطعی بے خبر تھے ازل اور ابد سے ناواقف تھے دین ابراہیمی کو فراموش کر چکے تھے شرک و ضلالت میں پڑے ''مئے حق'' سے نا محرم تھے۔

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے
نہ آگاہ تھے مبدا و منتہا سے
لگائی تھی ایک اک نے لو ماسوا سے
پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے (۳)

اسی بات کو علامہ اقبال ''شکوہ'' میں یوں بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اے خدا تیری ذات تو ازل سے موجود اور قدیم ہے لیکن اس ذات سے آشنائی کا سہرا مسلمانوں کے ذمے ہے۔ اسلام سے قبل اہل عرب کی یہ حالت تھی کہ ہر جانب بت پرستی اور شرک کا بول بالا تھا کوئی ایک خدا کا نام لیوا نہ تھا۔ دنیا میں مختلف اقوام آباد تھیں۔ یہودی، نصرانی، ساسانی، ایرانی، یونانی، سلجوقی و تورانی سبھی لوگ موجود تھے مگر کوئی بھی خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنے والا نہ تھا۔ اس بات کو علامہ اقبال ''شکوہ'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خُوگر پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

بس رہے تھے سلجوق بھی، تورانی بھی اہل چیں چین میں، ایران میں ساسانی بھی
اس معمورے میں آباد تھے یونانی بھی اسی دنیا میں یہودی بھی تھے، نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے (۴)

سرزمینِ حجاز سے قلبی و مذہبی وابستگی دونوں شعرا کے کلام میں مسلسل موجود رہی ہے۔ اقبال تو سرزمین حجاز کے اتنے شائق ہیں کہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقش قدم دیکھے ہیں۔ اور تیری کھجوروں کے سائے نے

ہزاروں ولیوں اور مسلمانوں کو تمازت آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔ کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو! کاش میں تیرے صحراؤں میں لُٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامان سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروا نہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں۔ جہاں کی گلیوں میں بلالؓ کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی۔''(۵)

اسی طرح حالی کہتے ہیں کہ عرب وہ جزیرہ تھا جس پر تمدن کا سایہ تک نہ پڑا تھا لیکن اسلام نے اس جزیرہ جہالت کو ایک ایسا نور عطا کیا، ایک ایسی تہذیب سے روشناس کروایا جس نے اخلاقی لحاظ سے دنیا کی پست ترین قوم کو اس مقام پہ جا کھڑا کیا کہ پھر دنیا نے ان سے تمدن کے اصول سیکھے۔ لکھتے ہیں:

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا
جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا
نہ کشورستاں تھا نہ کشور کشا تھا

تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا (۶)

ظہور اسلام کے بعد ان کی حالت یوں ہوئی:

ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت
کہ طالع ہوا ماہ موج سعادت (۷)

یہی بات اقبال ''شکوہ'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے — نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے — تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفا دار نہیں
ہم وفادار نہیں، تو بھی تو دلدار نہیں (۸)

سرزمین حجاز سے الفت کی مماثلت تو حالی اور اقبالؒ دونوں میں ہے لیکن جب حالیؔ زمانہ جاہلیت کا ذکر کرتے ہیں تو مبالغے کی حد تک خطہ عرب کو سنگلاخ چٹیل بے آب گیاہ قرار دے دیتے ہیں۔ عرب قبائل کی بد اخلاقی کا ذکر کرتے ہوئے اس قدر جانب دارانہ انداز اختیار کیا ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے عرب قوم اخلاقی و معاشرتی اقدار کو یکسر فراموش کر چکی تھی۔ حالانکہ تاریخی طور پر دیکھا جائے تو ظہور اسلام سے پہلے بھی عرب لوگ اپنے خاندانی اقدار اور رسوم و رواج کی وجہ سے دنیا کی تہذیبوں میں نمایاں قوم تھے۔ عرب لوگ اپنی بہادری، مہمان نوازی، بھائی چارے اور وعدہ ایفائی میں بے مثل تھے۔ ڈاکٹر گستان باؤلی نے اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں تفصیل کے

ساتھ تاریخی حوالوں کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ''زمانہ قبل اسلام میں بھی عربوں کی بعض اخلاقی عادات دنیا کی بیشتر مہذب قوموں سے بلند تر تھیں۔وہ عرب قوم کے بارے میں لکھتے ہیں:''ایک طرف بدوی عرب حد درجہ مغرور، گھمنڈی، لڑاکے اور منتقم المزاج تھے، دوسری طرف وہ انتہا درجے کے مہمان نواز، خوش اخلاق، نہایت درجہ فرماں بردار، جوشیلے، ذہانت سے بھرپور اور جدت کے دل دادہ ہیں۔ میں ایک عرصہ عربوں کے ساتھ رہا ہوں اور ان کے خیالات جانے ہیں۔ یہ اپنے رسوم و رواج میں نیم وحشی ہیں لیکن خیالات میں بالکل وحشی نہیں ہیں۔''(۹) لیکن حالؔی نے زمانہ جاہلیت کے عربوں کو ہر قسم کی اخلاقیات سے عاری قرار دے دیا ہے۔ وہ ''مسدس'' میں لکھتے ہیں:

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ (۱۰)

ایسا نہیں کہ حالؔی تاریخ سے واقفیت نہیں رکھتے تھے لیکن ان کے یہاں یہ مبالغہ اس وجہ سے بھی ہے کہ انھوں نے ''مسدس'' ایک اصلاحی تحریک کے زیر اثر لکھی۔''اردو شاعری کا مزاج'' میں ڈاکٹر وزیر آغا حالی کی اسی اصلاحی تحریک کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غزل کے عروج کے زمانے میں نظم کی ہیئت کو اختیار کرنے کی وجہ ہی یہ تھی کہ حالی اتنی طویل بات نظم کے پیرائے میں ہی بیان کر سکتے تھے۔(۱۱) لہٰذا اس جانب داری کی توجیہہ یوں پیش کی جا سکتی ہے کہ وہ ظہور اسلام سے قبل کے عربوں کی معاشی و اخلاقی بدحالی کا ذکر کر کے اسلام کے پیغام کی اہمیت پر زور دینا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت (زمانہ جاہلیت) عربوں کی کئی حوالوں سے دنیا کی دوسری تہذیبوں سے کم تر سمجھا جاتا تھا اور اسلام کا پیغام آنے کے بعد اس کی روایات میں بحیثیت قوم حیرت انگیز طور پر ایسی تبدیلیاں سامنے آئیں کہ تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی۔ اقبالؒ اور حالی دونوں توحید کو عالم اسلام کی نجات کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ حالؔی ''مسدس'' میں لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک خدا کی اطاعت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ عزیٰ اور کوئی نائلہ کی پرستش کرتا تھا۔ دین اسلام نے توحید کا درس دے کر لوگوں کو شرک سے نکالا۔ تمام انبیاء خدا واحد کی عبادت کے پیغام کے لیے مبعوث کیے گئے۔ اسی دین کی اشاعت کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔ چناں چہ حالؔی کہتے ہیں کہ موجودہ دور کے مسلمانوں کی فلاح اسی دین کی پیروی میں ہے۔

لگاؤ تو لو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

مبرّا ہے شرکت سے اُس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کی بڑائی (۱۲)

اقبال توحید کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا (۱۳)

شریعت کی پابندی کرنے کا اقبالؒ ان لفظوں میں ذکر کرتے ہیں:

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمھیں پیاری ہے
طبع آزار یہ قیدِ رمضاں بھاری ہے تمھی کہہ دو، یہی آئینِ وفا داری ہے
قوم مذہب سے ہے مذہب جونہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں (۱۴)

مسلمان خلفا اور اسلاف کے کردار کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں:

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں ہو گلے کا جیسے نگہباں چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں (۱۵)

''جوابِ شکوہ'' میں علامہ کے یہ شعر مذکورہ بالا مصرعے ہی کی یاد دلاتے ہیں:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے (۱۶)

مسلم عروج کے زمانے کے علم و فن کا ذکر کرتے ہوئے حالؔی اور اقبال کہتے ہیں کہ علم و ادب، سیاست، معاشرت، تعمیر و ترقی، فلسفہ و تحقیق نے تاریخ، علم حدیث، فقہ، شاعری اور طب میں عربوں نے پوری دنیا میں کامیابی کے جھنڈے گاڑے:

جہاں کو ہے یاد اُن کی رفتار اب تک
کہ نقش قدم ہیں نمودار اب تک
ملایا میں ہیں اُن کے آثار اب تک
انھیں رو رہا سے ملیبار اب تک
ہمالہ کو ہیں واقعات ان کے ازبر
نشان اُن کے باقی ہیں جبرالٹر پر
نہیں اس طبق پر کوئی بر اعظم
نہ ہوں جس میں اُن کی عمارت محکم
عرب، ہند، مصر، اُندلس، شام، ویلم
بنوں سے ہیں اُن کی معمور عالم
سیر کوہ آدم سے تا کوہ بیضا
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے اُن کا (۱۷)

''شکوہ'' کے یہ اشعار دیکھیے :

تھے ہمی ایک ترے معرکہ آراؤں میں خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی (۱۸)

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں گیر، جہاں دار ہوئی کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھو اللہ اَحَد کہتے تھے (۱۹)

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے اور معلوم ہے تجھ کو، کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے (۲۰)

اسلام کے کارناموں کے ذکر کرتے ہوئے دونوں شعرا ایک ہی انداز اختیار کرتے ہوئے سرزمین عرب کی تعریف کرتے ہیں۔ حالیؔ لکھتے ہیں کہ آج اسلام کی بدولت اہلِ عرب کو پوری دنیا میں پہچانا جاتا ہے اور دیگر اقوام ہمیشہ عربوں کی احسان مند رہیں گی:

ہوا گو کہ پامال بستاں عرب کا مگر اک جہاں ہے غزل خواں عرب کا
ہرا کر گیا سب کو باراں عرب کا سپید و سیہ پر ہے احساں عرب کا
وہ قومیں جو ہیں آج سر تاج سب کی
کنوڈی رہیں گی ہمیشہ عرب کی (۲۱)

اقبالؒ بھی اسی طرح عرب اقوام کے دیگر اقوام پر احسانات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

تو ہی کہ دے کہ اُکھاڑا اور خیبر کس نے شہر قیصر کا جو تھا اُس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے
کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدہ ایراں کو
کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو (۲۲)

پھر مسلم زوال کا ذکر کرتے ہوئے حالی کہتے ہیں:

نہ ثروت رہی ان کی قائم نہ جرأت گئے چھوڑ ساتھ ان کا اقبال و دولت
ہوئے علم وفن ان سے ایک ایک رخصت مٹیں خوبیاں ساری نوبت بہ نوبت (۲۳)

علامہ اقبالؒ اس بات کو زیادہ فصاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں، روح بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے (۲۴)

حالؔی لکھتے ہیں:

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی (۲۵)

اقبالؒ فرماتے ہیں:

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود (۲۶)

''مسدس'' کا لہجہ تلخی، افسردگی اور مایوسی لیے ہوئے ہوئے ہے جب کہ علامہ اقبال کے لہجے میں بے باکی اور جوش کے ساتھ ساتھ ایک لطیف سا طنز بھی موجود ہے۔اقبال کے لہجے میں اداسی ضرور ہے لیکن تلخی نہیں ہے۔ جب کہ حالؔی کی زبان سخت ہے۔''مسدس'' کا یہ بند دیکھیے :

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے
کمینوں سے بد تر ہمارا چلن ہے
لگا نامِ آبا کو ہم سے گہن ہے
ہمارا قدم ننگِ اہلِ وطن ہے
بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے (۲۷)

اسی فکر کو علامہ اقبال نے بھی ''جوابِ شکوہ'' میں بیان کیا ہے لیکن اُن کا انداز سُلجھا ہوا اور لہجہ دل نشیں ہے کہ قاری کی طبع پر گراں نہیں گزرتا۔

کون ہے تاریخ آئین رسول مختار مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ہو گئی کس کی نگہِ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدﷺ کا تمھیں پاس نہیں (۲۸)

''مسدس'' کا اسلوب اتنا افسردہ ہے کہ قاری آنکھیں نم رہتی ہیں۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ:

''حالؔی نے مسلمانوں کے کھوئے ہوئے عظمت و جلال کو ایسے سوز وگداز اور درد سے بیان کیا ہے کہ اس سے قبل ہماری کسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اگرچہ اس کی شاعری کی بنیاد زوال یافتہ قوم کی گہری بے آواز مایوسی پر ہے جسے پڑھ کر بے اختیار ہمارے آنسو نکل پڑتے ہیں لیکن اس کی روح عربی ہے اور وہ اس بگڑے ہوئے گھر کو بنانا او اسی خرابے کو از سر نوتعمیر کرنا چاہتا ہے۔'' (۲۹)

ڈاکٹر عبادت بریلوی کہتے ہیں کہ اس مایوسی اور افسردگی کی وجہ اس ایک مخصوص دور اور مخصوص قوم کے مخصوص حالات تھے جس نے اس نظم کی تخلیق کی وہ اپنی کتاب ''جدید شاعری'' میں لکھتے ہیں:

''یہ نظم دُکھے ہوئے دل کی پکار ہے۔ ایک سچے مسلمان کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز ہے ایک مخلص انسان کی آنکھوں سے ٹپکا ہوا آنسو ہے۔ ایک مُصلح کا پیام ہے ایک رہنما کا نعرہ ہے اور ایک مخصوص ماحول میں پرورش پائے ہوئے ایک بندہ حق آگاہ اور مرد وفا پیشہ کی زخمی سی چیخ ہے اس نظم میں حالی کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔'' (۳۰)

پر آفت کہیں ایسی آئی نہ ہو گی کہ گھر گھر پہ یاں چھا گئی آ کے پستی
چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں (۳۱)

بلا شبہ حالؔی کا لہجہ مایوس اور افسردہ ہے لیکن اس افسردگی کی بنیادی وجہ ملت اسلامیہ کا وہ درد ہے جو حالؔی اور اقبال دونوں کے سینوں میں جاگزیں ہے۔ نیت چوں کہ دونوں کی اصلاح ہی ہے، اس لیے دونوں شعرا فنی محاسن پر توجہ دینے کی بجائے مقصدیت کو فوقیت دیتے ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے ''مسدس حالی'' کے بارے کیسی عمدہ بات کہی ہے: ''حالی کے ہاں خشک نیکی تو ہے، شاعرانہ جھوٹ نہیں ہے۔''(۳۲) حالؔی کے لہجہ کی تلخی ایک سخت گیر باپ کی طرح ہے جو بگڑے بچے کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اسی لیے مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ مولانا کا منشا اس سے کسی کی دل آزاری نہیں بل کہ ان کو اپنی حالت زار پر آگاہ کرنا اور عبرت دلانا ہے۔''(۳۳) اقبالؒ کا آئیڈیل ایک شاہین ہے وہ مسلمان فرد کو ''شاہین شہ لولاکؐ'' اور ایسے ستارے سے تشبیہ دیتے ہیں جو مدھم تو ہو جاتا ہے لیکن وہ کبھی فنا نہیں ہوتا۔ آسمان پر ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اقبالؒ نے ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' بھی اسی جذبے کے تحت لکھی تھیں دل کو گداز کر دینے والی کیفیت علامہ کی منظومات میں بھی برقرار رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ جب انجمن کے اجلاس میں ''شکوہ''، ''جواب شکوہ'' پڑھی جاتیں تو لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ وہ لکھتے

ہیں کہ: ''موضوع کے اعتبار سے ''شکوہ'' بارگاہِ الٰہی میں دورِ حاضر کے مسلمانوں کی ایک فریاد ہے۔''(۳۴)

دونوں شعرا کے یہاں گداز بھی ہے، فصاحت بھی جوش بھی ہے اور اصلاح کا مقصد بھی برقرار رہتا ہے۔ اقبالؒ کے اسلوب میں بہ نسبت حالی جامعیت پائی جاتی ہے۔ حالی کا انداز مفصل ہے۔ حالی سرسید کے دبستان سے وابستہ تھے اور طویل پیرائے میں اظہار کرنا ان کی عادت ہے۔ حالی کا مطالعہ وسیع ہے اور انھوں نے ہر دور کا منظر ایسے بیان کیا ہے کہ اس عہد کی تصویر ہماری نظروں کے سامنے آنے لگتی ہے۔ اپنے دور کے مسلمانوں کی نفسیاتی، علمی و ادبی کیفیت کو اس انداز سے سمویا ہے کہ وہ انھیں کا خاصہ ہے۔ ایسا نہیں کہ اقبال مسلمانوں کی ذہنی حالت کو اس گہرائی تک جا کر نہیں سمجھے جس پر حالی نے دیکھا ہے۔ لیکن اقبالؒ تھوڑے لفظوں میں زیادہ بات کہنے پر قادر ہیں۔ جو بات حالی دس اشعار میں کہتے ہیں اقبالؒ ایک مصرعے میں سمو دیتے ہیں۔ مثلاً ''مسدس'' کے وہ بند جو ''احیائے علوم'' اور ''تعمیر بلاد'' کے زیرِ عنوان لکھے گئے ہیں حالی نے ان تمام بندوں میں جو بات کی ہے اقبال اس کو اس ایک شعر میں سمیٹ دیتے ہیں:

نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا!
پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا (۳۵)

اسی طرح ''زمانۂ جاہلیت'' کے عنوان کے تحت پہلے سات بندوں میں حالؔی نے جو بات کہی ہے اقبالؒ اس کو محض ایک بند میں بیان کر دیتے ہیں:

؎ ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر۔۔۔ الخ (۳۶)

پھر ''مسدس'' کے اسی عنوان کے تحت آئندہ چھ بندوں کی بات کو اقبالؒ نے ''خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انسان کی نظر'' کہہ کر بیان کر دیا ہے۔ جامعیت کی اس سے بھی زیادہ خوب صورت مثال یہ ہے کہ حالی نے ''توحید کی تعلیم'' سے لے کر ''رحلت ختم المرسلیں'' تک کے تمام بندوں میں جو کہا ہے، اس سب کو اقبال ایک مصرعے میں کہہ دیتے ہیں:

ع قوت بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

منظومات کا اختتام دونوں کے یہاں امید پر ہوا ہے۔ ''مسدس'' میں ''امید سے خطاب'' کے عنوان کے تحت حالی نے جو اشعار لکھے ہیں اس پہ ان کی فصاحت اور جوش قابلِ داد ہے۔ گو کہ امید کا تذکرہ حالی نے بوریت کی حد تک طویل کر دیا ہے۔ اقبال، حالی کی طرح یہ نہیں کہتے کہ ''ہم میں بیشتر نادان ہیں'' نہ ہی وہ حالی کی طرح انتخابیت کے قائل ہیں کہ یوں کہیں کہ بہت سوں میں چند گھوڑے بھی ہیں جو حالت بدل سکتے ہیں بل کہ اقبال کو اپنی قوم کے افراد سے اتنی روشن امید وابستہ ہے کہ ہر فرد کو ''عصر نورات''، ''دھندلا ستارا'' کہہ کر پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام کا نخل کبھی نہیں سوکھے گا۔ اللہ کا وعدہ بھی ہے اور کائنات کا دستور بھی کہ ہر زوال کے بعد عروج ہے۔ اس کے برعکس حالی کی ''مسدس'' میں اول تا آخر مایوسی اور ناامیدی کا پہلو نمایاں ہے۔ ''مسدس'' کی تمہید ہی ایسی باندھی ہے کہ گویا امت مرحومہ کی اصلاح کا اب کوئی چارہ نہیں۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

ع اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے

اسی طرح ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں:

ع نہیں کچھ ابھرنے کی صورت ہماری

''مسدس''میں جہاں ملت اسلامیہ کی موجودہ حالت بیان کی ہے یہاں بھی حالی کے اسلوب میں مایوسی اور نا امیدی نمایاں ہے۔امت مسلمہ کوایک اجڑے باغ سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر
ہوئے روکھ جس کے جلانے کے قابل نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل (۳۷)

اس کے برعکس علامہ نہایت پر امید اور حوصلہ افزا ہیں۔''جواب شکوہ'' کے یہ اشعار پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ وہ حالی کے اسی مذکورہ بالا بند کا جواب امید کی روشنی کے ساتھ دے رہے ہیں:

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی کوکب غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس وخاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی گل بر انداز ہے خون شہدا کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے (۳۸)

اقبال کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو ابراہیم کا ایمان پیدا کرے وہ اپنا گلستان آپ بنا سکتا ہے۔'' جواب شکوہ '' کے آخری آٹھ بندوں میں اقبال نے جو امید اور حوصلہ افزائی کا درس دیا ہے وہ مسدس کے پورے ''ضمیمہ'' پر بھاری ہے۔ یہ اختتام ایسا پر اثر ہے کہ اردو شاعری کی روایت میں اس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔نظم کے اس آخری شعر میں اقبالؒ نے حالی کی پوری''مسدس'' کی فکر کو یوں جذب کیا ہے، گویا گوزے میں دریا بند کر دیا ہے:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں (۳۹)

دونوں شعرا کے اسلوب کا موازنہ کیا جائے تو حالی اور اقبال کے اسلوب میں ایک فرق پایا جاتا ہے لیکن فکری حوالے سے دونوں کا مقصد یکساں ہے ۔ دونوں ہی مقصدیت کوفن پر ترجیح دیتے ہیں۔ ادب برائے فن کی بجائے ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ اگر اقبال کے شکوہ جواب شکوہ فکری اور فکری سطح پر اردو ادب کا شاہ کار ہے تو حالی کی مسدس کی بھی شاعرانہ ادب میں مثال ملنا مشکل ہے۔ بل کہ مولوی عبد الحق تو مسدس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''یہ وہ نظم ہے جو اردو ادب کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔''(۴۰)

حوالہ جات:

(۱) افتخار احمد صدیقی (مرتب): کلیاتِ نظم حالی (جلد دوم)، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۷۰ء، ص:۱۳۶
(۲) ایضاً، ص:۵۸

(۳) ایضاً،ص:۶۶
(۴) محمد اقبال، علامہ، **کلیات اقبال اُردو**، لاہور: اقبال اکادمی، پاکستان، اشاعت ششم،۲۰۰۴ء،ص:۱۹۱
(۵) مظفر حسین برنی (مرتب): **کلیات مکاتیب اقبال**، جلد اول، لاہور: ترتیب پبلشرز،۱۹۸۹ء،ص:۹۶،۹۷
(۶) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص:۵۹
(۷) ایضاً،ص:۶۳
(۸) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۱۳۹
(۹) گستان باؤلی، ڈاکٹر: سید علی بلگرامی (مترجم): **تمدن عرب**، لاہور: مقبول اکیڈمی،۱۹۲۳ء،ص :۱۴۸
(۱۰) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص:۶۱
(۱۱) وزیر آغا، ڈاکٹر: **اردو شاعری کا مزاج**، لاہور: جدید ناشرین، طبع اول، ۱۹۶۵ء،ص:۳۲۹،۳۳۰
(۱۲) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص: ۶۷
(۱۳) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۲۳۴
(۱۴) ایضاً،ص:۲۲۹
(۱۵) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص:۵۷
(۱۶) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۲۳۴
(۱۷) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص:۸۰
(۱۸) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۱۹۱
(۱۹) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۱۹۲،۱۹۳
(۲۰) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۱۹۳
(۲۱) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص:۸۷
(۲۲) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۱۹۲
(۲۳) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص:۸۸
(۲۴) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۲۳۱
(۲۵) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص:۸۸
(۲۶) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۲۳۱
(۲۷) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص:۹۲
(۲۸) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۲۳۱
(۲۹) عبدالحق، مولوی: **افکارِ حالی**، کراچی: انجمن ترقی اردو، اشاعت اول، ۱۹۷۶ء،ص:۱۱۲
(۳۰) عبادت بریلوی، ڈاکٹر: **جدید شاعری**، م ن ،۱۹۶۰ء،ص :۱۳۶
(۳۱) **کلیاتِ نظمِ حالی** ،ص:۹۱
(۳۲) وحید قریشی، ڈاکٹر: **مطالعہ حالی**، لاہور، دارالادب، طبع دوم، ۱۹۶۹ء،ص۹۰

(۳۳) **افکار حالی**،ص:۱۱۶

(۳۴) رفیع الدین ہاشمی:**اقبال کی طویل نظمیں**، سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۸ء،ص:۳۲

(۳۵) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۲۱۸

(۳۶) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۱۹۱

(۳۷) **افکار حالی**،ص:۸۹

(۳۸) **کلیاتِ اقبال اُردو**،ص:۲۳۴

(۳۹) ایضاً،ص:۲۳۷

(۴۰) عبدالحق،مولوی:**افکارِ حالی**، کراچی: انجمن ترقی اردو، اشاعت اول، ۱۹۷۶ء،ص:۶۲